پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم: چند یادیں

ڈاکٹر محمود احمد غازی ○

پروفیسر عبدالحمید صدیقی (وفات: ۱۸ اپریل ۱۹۷۸ء) اپنے علم و فضل' زہد و استغنا اور اخلاص و تقویٰ میں بلاشبہ سلف صالحین کا ایک نمونہ تھے۔ میں نے ان کا نام تو اپنی طالب علمی کے دور ہی سے سننا شروع کر دیا تھا لیکن ان کی تحریروں سے باقاعدہ استفادے کی نوبت ۱۹۶۸ء سے آئی۔ اس وقت سے میں نے باقاعدگی سے ان کی تحریروں کا مطالعہ شروع کیا' جو اب بھی وقفے وقفے سے جاری رہتا ہے۔ اول اول ان کی جن تحریروں نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا وہ ماہنامہ ترجمان القرآن میں ان کے "اشارات" ہوتے تھے۔ انھوں نے جب سے ماہنامہ ترجمان القرآن کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی تھی اس وقت سے انھوں نے "اشارات" کے عنوان سے چھپنے والے ادارتی صفحات کی ذمہ داری بھی سنبھال لی تھی۔ یہ ایک اہم علمی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ ایک بڑا اعزاز بھی تھا۔

"اشارات" میں وہ ملک و ملت کو درپیش ملی' اجتماعی اور دینی مسائل پر گہرے اور عمیق فلسفیانہ انداز میں تبصرہ کرتے' دور جدید کی پیدا کردہ گمراہیوں' فکری غلطیوں اور دوسری اجتماعی کمزوریوں پر تنقیدی نظر ڈالتے اور ایک متوازن لیکن دینی حمیت سے بھرپور اسلامی حل بھی تجویز کرتے۔ "اشارات" کے عنوان سے سال ہا سال انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ مذہبی فکر' تقابل ادیان' مسلم سیاسی فکر' اجتماعیات اور عمومی طور پر معارف اسلامیہ کے وقیع مباحث پر مشتمل ہے۔ یہ ادارتی صفحات پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم کے انتہائی گہرے مطالعے اور طویل و عمیق غور و فکر کے ترجمان ہوتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے قلم نے دینی رسائل کے معیار کو اتنا بلند کر دیا کہ اب بعد میں آنے والوں کے لیے اس بلند معیار کو برقرار رکھنا ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ انھوں نے "اشارات" کے عنوان سے جو کچھ لکھا وہ برعظیم کی اسلامی فکر کی ایک نہایت

○ نائب صدر' بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی' اسلام آباد و ممبر نیشنل سیکورٹی کونسل

مؤثر اور متوازن ترجمانی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ترجمان القرآن کے صفحات پر چھپنے والے ان "اشارات حمیدیہ" کو مختلف عنوانات کے تحت الگ الگ جلدوں میں مرتب کیا جائے اور اس طرح علم و فکر کے اس بے بہا ذخیرے کو آنے والوں کے لیے دستیاب کر دیا جائے۔

پروفیسر عبدالحمید صدیقیؒ اصلاً معاشیات کے استاد تھے اور ایک طویل عرصہ گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کی سطح پر معاشیات کی تعلیم دیتے رہے۔ معاشیات میں تخصص پیدا کرنے سے قبل وہ انگریزی کے استاد تھے اور ایک عرصہ پنجاب کے مختلف تعلیمی اداروں میں انگریزی پڑھاتے رہے تھے۔ بعد میں انھوں نے معاشیات میں ڈگری حاصل کی اور حکومت مغربی پاکستان کے محکمہ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ وہ تبلیغ دین اور دعوت و ارشاد کے میدان میں بھی سرگرم رہے۔ وہ نوجوانی ہی سے جماعت اسلامی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر سے بڑے متاثر تھے۔ چنانچہ جماعت کی رکنیت کے تمام روایتی اور بھاری تقاضوں کو انتہائی جذبے اور خلوص سے انجام دیتے تھے۔ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ ان کے لیے سرکاری ملازمت اور جماعت سے وابستگی کو ایک ساتھ نبھانا مشکل ہو گیا۔ پروفیسر عبدالحمید صدیقیؒ نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر جماعت سے وابستگی کو ترجیح دی اور سرکاری ملازمت پر لات مار دی۔

معاشیات کے استاد سے کہیں زیادہ ان کی شہرت ایک مفسر قرآن' شارح حدیث' مفکر اسلام اور صاحب طرز ادیب اور مصنف کے طور پر رہی۔ انھوں نے مختلف علمی موضوعات پر باقاعدہ تصنیفات کی ایک تعداد یادگار چھوڑی۔ سیرت کے موضوع سے بھی ان کو خاص دل چسپی رہی۔ چنانچہ انگریزی زبان میں انھوں نے سیرت پر بھی ایک کتاب تصنیف کی جو وسیع پیمانے پر مقبول ہوئی۔ سیرت اور علوم سیرت کے حوالے سے ان کی ایک اور فاضلانہ کتاب Prophethood in Islam (اسلام میں نبوت) کے موضوع پر ہے۔ انگریزی زبان میں یہ اپنی نوعیت کی شاید واحد کتاب ہے جس میں نبوت اور ختم نبوتؐ کے اہم موضوعات پر بڑی فاضلانہ اور فلسفیانہ گفتگو کی گئی ہے۔

پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم کا شاید سب سے اہم اور بنیادی کام چھ جلدوں میں لکھی جانے والی صحیح مسلم کی وہ شرح ہے جو انھوں نے انگریزی زبان میں مرتب کی۔ یہ کام جس لگن' محنت' محبت اور جذبۂ عشق کے ساتھ انھوں نے کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جن دنوں وہ یہ تاریخ ساز کارنامہ انجام دے رہے تھے ان دنوں مجھے بارہا ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ وہ پنجاب پبلک لائبریری کے ایک گوشے میں بیٹھ کر کام کرتے تھے جہاں ایک خاص کمرہ ان کے لیے مختص تھا۔ وہ علی الصباح اپنے گھر گوجرانوالہ سے ٹرین میں سوار ہو کر لاہور پہنچتے اور لاہور ریلوے اسٹیشن سے بذریعہ بائیسکل پنجاب پبلک لائبریری پہنچتے جہاں وہ دن بھر مصروف کار رہتے۔ حدیث' تفسیر' فقہ' تاریخ اسلام اور لغت کی کتابیں ان

کے چاروں طرف بکھری ہوتیں۔ ایک کرسی پر وہ خود تشریف فرما ہوتے' برابر والی کرسی پر ان کی شیروانی ہوتی اور ایک کرسی ملاقاتیوں کے لیے دستیاب رہتی۔ ملاقاتی اگر دو ہوتے تو شیروانی کرسی سے منتقل ہو کر پروفیسر صاحب کے کاندھے پر آ جاتی۔ زیادہ ملاقاتیوں کی صورت میں کھڑے کھڑے سب سے بات کرتے اور دروازے تک ان کو رخصت کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے پروفیسر عبدالحمید صدیقی صاحب کے علم کے ساتھ ساتھ ان کے وقت میں بھی بڑی برکت عطا فرمائی تھی۔ وہ ان چند گھنٹوں میں بہت سے متنوع کام کر لیتے تھے۔ خود صحیح مسلم کے ترجمہ اور شرح کا کام اتنا بڑا تھا جس کے لیے ہر طرف سے یکسوئی درکار تھی۔ لیکن وہ آنے والے ملاقاتیوں' مجھ جیسے نیازمند طالب علموں' جماعت اسلامی کے کارکنوں سمیت روزانہ بیسیوں آدمیوں سے ملتے لیکن پیشانی پر ذرا بل نہ آتا۔ ملاقاتیوں کے علاوہ دوسرے بہت سے چھوٹے موٹے کام بھی اسی دوران ہوتے رہتے۔ ہر آنے والے کی اس کی حیثیت کے مطابق تواضع بھی ہوتی۔ وہ خود بہ اصرار باہر تشریف لے جاتے اور جا کر چائے خانے میں چائے کا آرڈر دے کر آتے۔ چائے خانہ میں ان کا کھاتہ کھلا رہتا جس کی وہ ہر ماہ کے آغاز میں ادائیگی کر دیتے۔

صحیح مسلم کی شرح اور ترجمے کا یہ کام سالہا سال جاری رہا۔ جوں جوں وہ کام کرتے جاتے کتاب کی جلدیں شائع ہوتی جاتیں۔ اس دوران میں اور بھی متفرق کام آتے اور نبٹتے رہتے۔ چنانچہ کئی ایک چھوٹی بڑی کتابیں اس دوران قلم سے نکلیں اور شائع ہوتی رہیں۔ بعض دیگر کتابوں کے بھی عربی سے انگریزی ترجمے پروفیسر صاحب کے قلم سے نکلے۔ انھی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک بار میں حاضر خدمت ہوا تو فرمانے لگے کہ کویت کے فلاں ادارے کی طرف سے چند کتابوں کے عربی سے انگریزی تراجم کی پیش کش آئی ہوئی ہے اگر تم وقت نکال سکو تو یہ کام علمی اعتبار سے بھی مفید ہو گا اور مالی اعتبار سے بھی اچھی خاصی یافت ہو گی۔ میں نے ادب سے عرض کیا کہ خود آپ سے بہتر کون اس کام کو کر سکتا ہے۔ میرے اس جواب میں اشارتاً یہ امر بھی پنہاں تھا کہ اس مالی یافت سے اگر آپ خود مستفید ہوں تو اس میں کیا حرج ہے۔ یہ اشارہ میں نے بہت ڈرتے ڈرتے اور بہت ہی کنایہ کے انداز میں کیا تھا لیکن وہ اس کو فوراً ہی تاڑ گئے۔ میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکرائے اور جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں اپنے دستیاب اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کرتا ہوں اور چاروں حصوں کے لیے طویل المیعاد ذمہ داریاں میں نے اٹھا رکھی ہیں۔ پھر خود ہی ان چاروں کی تفصیل بتائی اور فرمایا کہ علی الصباح نماز فجر سے پہلے اور نماز فجر کے بعد اور رات گئے نماز عشا کے بعد کے اوقات اپنی علیل اور معمر والدہ کی خدمت کے لیے وقف کر رکھے ہیں۔ دن کے اوقات کا بیشتر حصہ ترجمان القرآن کی ادارت اور صحیح مسلم کے ترجمہ اور تشریح کے لیے وقف ہے۔ ان دونوں

کاموں سے جو تھوڑا بہت وقت بچتا ہے وہ دوسرے متفرق علمی کاموں کے لیے مقرر ہے۔

یہ بات میرے ذاتی علم میں تھی کہ جس ناشر کے زیر اہتمام صحیح مسلم کی انگریزی شرح شائع ہو رہی تھی اس کے ہاں سے پروفیسر صاحب کو جو اعزازیہ ملتا تھا وہ اس قدر ناکافی تھا کہ شاید حکومت پاکستان کے درجہ چہارم کے ملازمین کی تنخواہ سے بھی کم تھا۔ اسی طرح وہ ادارہ ترجمان القرآن سے بھی برائے نام اعزازیہ قبول کرنے پر اکتفا کرتے تھے اور یہی ان کی کل یافت تھی۔

اس اچھی خاصی تنگ دستی کے باوجود قناعت اور مہمان نوازی کے ایسے عجیب و غریب مناظر دیکھنے میں آتے تھے جو صدیقی صاحب کے غیر معمولی اخلاص، ایمان، عزیمت کے غماز تھے۔

ان دنوں میں نے ان کی ایک انگریزی کتاب A Philosophical Interpretation of History (تاریخ کی ایک فلسفیانہ تعبیر) پڑھی تھی، جو اپنے موضوع پر ایک بڑی فاضلانہ اور وقیع کوشش تھی۔ پروفیسر صاحب نے مغربی اور کیمونسٹ مفکرین کے فلسفہ تاریخ کا ناقدانہ جائزہ لے کر قرآن کے نظریۂ تاریخ کو بیان کیا تھا۔ میں نے اس کتاب کا ذکر اپنے دوست جناب قمرالدین محمد عارف سے کیا جو ان دنوں پاکستان میں ملائیشیا کے ہائی کمشنر تھے۔ یہ ۷۵-۱۹۷۴ کا ذکر ہے۔ ملائیشیا کے ہائی کمشنر بھی اس کتاب کو پڑھ کر بہت متاثر ہوئے اور کئی بار اس کتاب کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اسی دوران وہ کسی سرکاری کام سے ملائیشیا گئے تو جاتے وقت اس کا ایک نسخہ وزیراعظم ملائیشیا کے لیے بھی لے گئے۔ واپسی پر ہائی کمشنر صاحب نے مجھ سے کہا کہ اگر پروفیسر عبدالحمید صدیقی ملائیشیا جانا چاہیں تو ان کی شرائط کیا ہوں گی؟ ہائی کمشنر نے یہ بھی بتایا کہ حکومت ملائیشیا پروفیسر صاحب کی ہر شرط قبول کرنے کو تیار ہے لیکن جب میں نے لاہور جا کر صدیقی صاحب سے اس پیش کش کا تذکرہ کیا تو انھوں نے قدرے ناگواری اور استغنا سے میری بات سنی ان سنی کر دی، اور کسی اور موضوع پر گفتگو شروع کر دی۔ جب میں نے چلتے وقت دوبارہ ان سے پیش کش کی بابت رائے لی تو فرمایا کہ میرے لیے نہ ترجمان القرآن سے کیے ہوئے عہد کو توڑنا آسان ہے، نہ میں صحیح مسلم کے کام کو ادھورا چھوڑ سکتا ہوں اور نہ والدہ کی خدمت کے لیے کسی اور پر بھروسا کر سکتا ہوں۔

پروفیسر عبدالحمید صدیقی کا آخری علمی کارنامہ قرآن پاک کا وہ نامکمل ترجمہ اور حواشی ہیں جن کے وہ صرف ۱۴ پارے مکمل کر پائے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس وقت تک کے دستیاب انگریزی تراجم اور تفاسیر میں چونکہ خاص طور پر اہل مغرب کو مخاطب کیا گیا ہے اس لیے انگریزی تفاسیر قرآن میں دانستہ یا نادانستہ صرف وہی مباحث آئے ہیں جو ایک مغربی قاری کی دلچسپی اور اہتمام کا موضوع سمجھے جاتے ہیں۔ اس طرح ایسے بہت سے مباحث سے صرف نظر ہو جاتا ہے جو تفسیر قرآن کے باب میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

پروفیسر صاحب کا خیال تھا کہ انگریزی زبان میں ایک ایسی مختصر تفسیر قرآن کی ضرورت ہے جس میں علم تفسیر اور قدیم مفسرین کے وہ تمام مسائل و مباحث بیان کیے جائیں جن پر مفسرین کا عمومی اتفاق رائے رہا ہے۔

اس غرض کے لیے انھوں نے قرآن کے ایک نئے انگریزی ترجمے کا آغاز کیا جس کے ساتھ مختصر جامع حواشی کا بھی اضافہ کیا گیا۔ ان حواشی کی تیاری میں انھوں نے جن کتابوں کو بنیاد بنایا ان میں علامہ ابن کثیر دمشقی کی تفسیر تفسیر القرآن العظیم' امام شوکانی کی تفسیر فتح القدیر' علامہ محمود آلوسی کی تفسیر روح المعانی اور چند ایک دوسری تفاسیر شامل تھیں۔ ان تفاسیر میں وہ فتح القدیر کے بڑے قائل اور مداح تھے۔ میں نے پہلے پہل فتح القدیر کا نام انھی سے سنا تھا بلکہ جب انھوں نے پہلی بار اس کا مجھ سے ذکر کیا تو میں اس کو فقہ کی مشہور کتاب فتح القدیر (شرح ہدایہ) سمجھا اور دل ہی دل میں حیران رہا کہ' تفسیر قرآن میں آخر اس کی ایسی کیا اہمیت ہے۔ بعد میں پتا چلا کہ یہ فتح القدیر اور ہے۔ پروفیسر صاحب کا خیال تھا کہ انگریزی میں ان اہم تفاسیر کے مضامین کا خلاصہ آجائے تو انگریزی خواں قارئین کو علوم قرآن کی بہت سی نئی جہتوں سے واقفیت ہو جائے گی۔

پروفیسر صاحب نے اس کام کا آغاز ۱۹۷۵ء کے لگ بھگ کیا۔ وہ ایک ایک پارے کا ترجمہ کرتے جاتے اور ان کا ناشر ایک ایک پارہ الگ الگ شائع کرتا جاتا۔ تقریباً ۱۳ پارے شائع ہوئے تھے کہ پروفیسر صاحب ۱۹۷۶ء کے وسط میں اچانک فالج کے حملے کا شکار ہو گئے اور جو کام جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ وہ فالج کے حملے سے قدرے صحت یاب ہوئے تو دوبارہ لاہور آنا جانا شروع ہوا۔ ان کو میرے بارے میں کسی وجہ سے غیر معمولی حسن ظن پیدا ہو گیا تھا۔ ان دنوں میں مزاج پرسی اور دست بوسی کے لیے حاضر ہوا تو فرمایا: میں نے ناشر کو تمھارا نام دے دیا ہے اور میری خواہش ہے کہ تفسیر قرآن کے بقیہ اجزا کی تکمیل تم کرو۔ میں نے ادب سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا عطا فرمائے تو آپ ہی اس کی تکمیل فرمائیں۔ یوں بھی چونکہ آغاز بھی آپ نے فرمایا ہے اور اسلوب بھی آپ نے ہی طے کیا ہے اس لیے یہ کام آپ ہی کے قلم سے مکمل ہو تو اچھا ہے۔ افسوس کہ ان کی صحت یابی کا یہ مرحلہ مختصر ہی رہا اور ان کی بیماری جو محض ایک اتفاق کا نتیجہ تھی دوبارہ شروع ہو گئی۔

انھوں نے خود مجھے بتایا کہ وہ بالکل صحت یاب تھے اور حسب معمول اپنے جاں گسل فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھے کہ ایک روز ان کے ایک قریبی عزیز نے جو ایک ماہر معالج تھے انھیں مشورہ دیا کہ وہ حفظ ماتقدم کے طور پر کوئی مناسب وٹامن یا مقویات پر مبنی دوا استعمال کیا کریں۔ انھی کے مشورے سے انھوں نے کوئی عام سی دوا استعمال کی جس کے ردعمل کے طور پر ان کو فالج اور عارضہ قلب کے شدید حملے نے آلیا۔ اس بیماری نے طول پکڑا اور صحت کے مختصر وقفوں کے باوجود ان کی طبیعت پورے طور پر نہ

سنبھل سکی۔ بالآخر ۱۸ اپریل ۱۹۷۸ء کو وہ اس رب جلیل کے حضور پہنچ گئے جس کی رضا کے لیے انھوں نے نصف صدی کے قریب ہر قسم کی دنیاوی آسایش و آرام اور مال و دولت حتیٰ کہ ملازمت کو بھی قربان کیا۔ ان کی زندگی میں علامہ اقبالؒ کے یہ اشعار متجسد معلوم ہوتے تھے:

خاکی و نوری نہاد' بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی' اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل' اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب' اس کی نگہ دلنواز
نرم دم گفتگو' گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو' پاک دل و پاکباز

مجھے ان کے آخری ایام میں ان کی خدمت میں زیادہ حاضری کا موقع نہ مل سکا۔ کئی بار خیال ہوا کہ گوجرانوالہ جاکر ان کی قدم بوسی کروں' لیکن سستی اور آرام طلبی مانع رہی۔ افسوس جو تھکا دینے والا سفر وہ روزانہ سالہا سال تک کرتے رہے' وہ میں ان کی مزاج پرسی کی خاطر ایک بار بھی نہ کر سکا۔ یہی فرق ہے پروفیسر عبدالحمید صدیقی صاحب مرحوم جیسے قدآور اور عبقری اہل علم میں اور ہمارے دور کی آرام طلب اور کام چور نسل میں۔ اللہ تعالیٰ نے پروفیسر عبدالحمید صدیقی کے درجات یقیناً بلند فرمائے ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ خداوند قدوس نے ان کا حشر سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منتسبین میں کیا ہو گا جن کی کل متاع مال ودولت دنیا اور یہاں کے رشتہ و پیوند کے بجائے صرف دولت لا الٰہ تھی۔ ایسی ہی شخصیتوں کو دیکھ کر یہ شعر یاد آتا ہے؎

یہ مال و دولت دنیا' یہ رشتہ و پیوند بتان وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ

۲

پروفیسر خورشید احمد

پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم کے علم اور سیرت دونوں نے میرے دل و دماغ پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ وہ استاد تھے اور میں طالب علم۔ لیکن انھوں نے ہمیشہ اتنی عالی ظرفی سے معاملہ کیا کہ میں ان کا گرویدہ ہو گیا۔ معاملات میں وہ بہت کھرے تھے' قناعت ان کا شعار تھا' ملنساری میں اپنی مثال آپ تھے

اور ہمیشہ دوسروں کے حسنات پر نگاہ رکھتے تھے جو ان کی عالی ظرفی کا ثبوت ہے۔

پروفیسر عبدالحمید صدیقی کا مطالعہ بہت وسیع تھا' لیکن وہ صرف کتابی آدمی نہیں تھے بلکہ مطالعہ اور تحقیق کے ساتھ تفکر اور علمی اعتبار سے خود اپنی راہ نکالنے والوں میں سے تھے۔ مغرب کے فکر پر ان کی نگاہ بہت گہری تھی۔ گو ان کا تخصص معاشیات کے میدان میں تھا لیکن تاریخ اور فلسفہ پر بھی ان کی نگاہ بہت گہری تھی اور انسانی نفسیات کا بھی انھوں نے بڑی دقت نظر سے ادراک کیا تھا۔ قرآن و سنت کا مطالعہ بھی ایک محقق کے انداز میں کیا تھا البتہ میں ان کو صرف محقق نہیں بلکہ ایک Original Thinker سمجھتا ہوں۔ بہ حیثیت مترجم بھی ان کی بڑی گراں قدر خدمات ہیں۔ خصوصیت سے احادیث کے مجموعوں کا جو ترجمہ انھوں نے کیا ہے وہ اپنی صحت اور سلاست کے اعتبار سے منفرد ہے۔

مولانا مودودیؒ کی فکر سے ان کو بہت گہری مناسبت تھی اور اسلوب تحریر میں بھی انھوں نے مولانا مرحوم کے تتبع کی کوشش کی ہے۔ ترجمان القرآن میں مولانا کی معاونت انھوں نے عبادت سمجھ کر کی اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ ان کے دور تعاون میں ترجمان القرآن اپنے روایتی کردار کو بحسن و خوبی انجام دیتا رہا۔ ان کی تمام کتابیں علمی شان کے ساتھ دعوت اور پیغام کے اعتبار سے بھی نہایت بلند مقام رکھتی ہیں۔

میرے تعلقات ان سے اسلامی جمعیت طلبہ کے ابتدائی دور سے لے کر ان کی وفات حسرت آیات تک جاری رہے اور میرے بڑے بھائی ہونے کے باوجود وہ مجھ سے اس طرح معاملہ کرتے رہے جیسے وہ میرے چھوٹے بھائی ہوں۔ کردار کی بلندی کا یہ مقام کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ واقعات تو بے شمار ہیں اور خط و کتابت بھی میری ان سے مسلسل رہی لیکن بدقسمتی سے کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں۔

میں صرف اتنی بات کہنا چاہتا ہوں کہ ان سے میری محبت اور عقیدت اس درجے کی تھی کہ جن افراد سے ملنے کے لیے میں نے سفر کیا ان میں سے ایک برادر محترم پروفیسر عبدالحمید صدیقی تھے۔ میں ایک ہی بار گوجرانوالہ گیا وہ بھی صرف ان سے ملنے کے لیے۔ اس طرح ان کے گھر پر ان کی لائبریری کی زیارت بھی کی اور ان کی سادہ اور پاک صاف زندگی کا بھی مشاہدہ کیا۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور علم و ادب اور سیرت و کردار کے جو چراغ انھوں نے روشن کیے وہ ہمیشہ ضوفشانی کرتے رہیں (ایک خط کے جواب میں: ۱۷ فروری ۲۰۰۰)۔